ڈاکٹر ناہید قمر
شعبۂ اردو ، وفاقی جامعہ اردو ، اسلام آباد

قرۃ العین حیدر، جلا وطنی اور تہذیبی بکھراؤ کا المیہ

In the backdrop of post-clonial era,exile and a pervasive concern with the myths of identity and anthenticity becomes the most prominent feature of Qurat ul Ain Hyder's works.Displacement, to Hyder is not just an outcome of partition. It depicts the entire dilemma of exiled souls and their life long diaspora. She deals with the themes of exile,diaspora and alienation as a quest to discover and redefine her cultural and spiritual roots and this attempt is replete with an ambiance of mellow grief,which creates a haunting effect.This article presents a study of diasporic themes in Quratul ain Hyder's works

''بیسویں صدی ترکِ وطن کی صدی ہے ۔ اس صدی کے دوران میں ایک برِ اعظم سے دوسرے برِ اعظم ، ایک ملک سے دوسرے ملک ، ایک شہر سے دوسرے شہر میں لوگوں کی منتقلی اور عارضی سکونت روز مرّہ کا معمول بن چکی ہے'' (۱)

جلا وطنی سیاسی وجوہات کی بنا پر عمل میں آئے ۔ اپنے ماحول سے نا آسودگی کی بنا پر جنم لینے والی ایک ذہنی کیفیت ہو یا پھر خود اختیار کردہ جلا وطنی ہو یہ ایک ایسا عمیق تجربہ ہے جو انسان ذہن و روح کی سطح پر کرتا ہے ۔ آغازِ کائنات سے ہی انسان کبھی ضروریاتِ زندگی کے تحت اور جنگ و جدل کے باعث قیام کی بجائے حالتِ سفر میں زیادہ رہا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے قدیم ادب کے بیانیوں میں سفر اہم ترین تجربے اور واردات کے طور پر شامل رہا ہے ۔ یونان کے قدیم ادب کی اہم ترین تخلیق ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسی تھیں ۔ ایلیڈ جس میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح یونانی قبائل نے ایشیائے کوچک میں ٹرائے شہر کا محاصرہ اور پھر اس پر قبضہ کیا اور اوڈیسی جو اوڈیسیس کی ٹرائے شہر سے اپنی سرزمین اتھا کا کی طرف واپسی کی داستان ہے ۔ یہ مسافرت جلا وطنی کی ہی ایک شکل ہے جس میں اوڈیسیس کو مبتلا دکھایا گیا ہے ۔

ورجل کی اینیڈ بھی مسافرت اور ترکِ وطن کے دکھ سے مملو ہے ۔ ہندی ادب کی دو طویل رزمیہ نظمیں مہا بھارت اور رامائن میں جنگ و جدل کے ساتھ ساتھ رام اور سیتا کی چودہ سالہ مسافرت اور جلا وطنی کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ۔

''تاریخ افراد کے صرف جسمانی نہیں بلکہ ذہنی سفر کی بھی روداد ہے ۔ یہی ذہنی سفر انسان کو بیک وقت حال اور ماضی کی طرف یکساں طور پر متحرک رکھتا ہے جو بالآخر ناسٹلجیا کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ پوری دنیا کے ادب میں جو ذہنی جلا وطنی کی کیفیت ملتی ہے وہ اس ناسٹلجیا کی دین ہے ۔ ناسٹلجیا ہی وہ تخلیقی جذبہ ہے جو سال بیلو

اور آئزک سنگر سے پولینڈ کی جنتِ گم گشتہ کا یاد نامہ رقم کرواتا ہے ۔جوزف کانریڈ کو اجنبی سرزمینوں کی طرف لے جاتا ہے ۔اسی احساس کی لومیلان کنڈیرا کو اپنے لوگوں اور اپنی سرزمین کی بنتی بگڑتی صورتوں کے خواب دکھاتی ہے .....دنیا بھر کے افسانوی اور داستانوی ادب میں کتنے ہی اجنبی ہمیں نظر آتے ہیں جو اپنی مٹی سے دور ہیں اور اس کی یاد ان کی تہوں میں سرسراتی ہے''(۲)

جرمن ناول نگار ہرمن ہیس نے اپنے ناول سدھارت میں انسانی روح کے اضطراب کی کہانی بیان کی ہے ۔اس ناول میں انسان کے جسمانی سفر سے ذہنی سفر کے معنی اخذ کیے گئے ہیں اور اسے انسان کی جلا وطنی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے ۔

محمود درویش ایک فلسطینی شاعر ہیں ، جو ارضِ فلسطین سے اپنی محبت اور جلا وطنی کے شدید اضطراب کو تخلیقی سچائی کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے الفاظ ہر عرب کے دل کی آواز بن جاتے ہیں ۔ اسی طرح لبنان میں خانہ جنگی کے باعث خلیل جبران اور ان کے ساتھ بہت سے عرب شعراء امریکہ اور دوسرے ممالک میں جا کر بس گئے ۔اس تجربے نے ان کے اندر جس ناسٹلجیا کو جنم دیا اس کے نتیجے میں تخلیق ہونے والا ادب ،ادب المہجر (ہجرت کا ادب) کہلایا اور اس کے اسالیب معاصر تخلیقی دھارے سے مختلف قرار پائے ۔

نو آبادیاتی نظام نے بالخصوص انیسویں اور بیسویں صدی کے لوگوں کو اپنے ہی وطن میں بے گھر ، جلاوطن ، اور اجنبی بنا دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد منظرِ عام پر آنے والے ادب میں جلاوطنی کا احساس زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے ۔قرۃ العین حیدر کی تحریریں تاریخ کے عمل میں فرد کی مسلسل جلا وطنی کی داستان ہیں ۔قرۃ العین حیدر کے یہاں جلاوطنی کا مطالعہ ہم تین سطحوں پر کر سکتے ہیں ۔ایک تقسیم کے نتیجے میں ہونے والا ترکِ وطن کا تجربہ جس میں اپنے خطۂ زمین سے بے دخل ہوئے بغیر انسان اپنی شناخت سے بے دخل ہو جاتا ہے ، یعنی اپنے وطن میں رہتے ہوئے جلاوطن ،دوسری وہ سطح جہاں انسان بظاہر زندگی کی ہر آسائش اور کامیابی حاصل کر لیتا ہے مگر ذہنی سکون اس کے حصّے میں نہیں آتا جس سے ذہنی و روحانی جلاوطنی جنم لیتی ہے ، اور پھر ایک ایسی جلا وطنی جو انسان اپنے آدرشوں کے لیے خود اختیار کرتا ہے ۔

قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری کا آغاز اس وقت ہوا جب بیسویں صدی کی دنیا فکری اور سیاسی سطح پر کئی انقلابات سے گزر چکی تھی ۔ انسانی ذہن نئے نئے سوالات سے رُوشناس ہو رہا تھا ۔ دو عظیم جنگوں کے ساتھ ساتھ ملکی اور بین الاقوامی سیاست کی ہولناکیوں نے انسانی زندگی کی تمام بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں اور انسان ریزہ ریزہ ہو کر معدومیت کے اس منطقے میں سانس لے رہا تھا جہاں صرف موت کا سناٹا ، ماضی کا ویرانہ اور زندگی سے متعلق اضطراب آمیز سوالات تھے ۔ قرۃ العین حیدر نے انسان کی ذہنی و جسمانی جلا وطنی کے تناظر میں انہی سوالات کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا اور واقعات کی باطنی صداقتیں جاننے کی کوشش تخلیقی سطح پر کی ۔اس کوشش میں اظہار کی جو نئی جہتیں اور اسالیب وجود میں آئے وہ جدید فکشن کی شناخت کہے جا سکتے ہیں ۔

قرۃ العین حیدر کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ستاروں سے آگے'' اور دوسرا ''شیشے کے گھر'' ہے ۔ ان مجموعوں ، خصوصاً ''شیشے کے گھر'' کی کہانیوں میں فکری بلوغت کا احساس ہے ، تاریخ اور فرد کا تصادم ہے ، جلا وطنی اور ہجرتوں کا احوال ہے

ماضی اور حال کے تضادات ہیں، انسانی رشتوں کے انہدام کا نوحہ ہے، بیسویں صدی میں روحانی اور جذباتی عدم مرکزیت کا کرب سہتے ہوئے کردار ہیں، نئی زمین پر گزشتہ تہذیب کے آثار کی تلاش ہے، اور ساتھ ہی آگہی کے اس تریاق کی جستجو ہے جو، ان سب المیوں کو سہارنے کے لیے ضروری ہے مثلاً ''شیشے کے گھر'' کے ایک افسانے ''برف باری سے پہلے'' میں مرکزی کردار بوبی ممتاز کے لیے برف باری کا تذکرہ وہ تلازمۂ خیال بن جاتا ہے جو اسے حال کی گرفت سے نکال کر ماضی سے وابستہ کر دیتا ہے اور یہاں ماضی کا شعور لمحہء موجود میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ بوبی ممتاز وقت کی اس حدِ فاصل پر کھڑا ہے جس کے ایک طرف حال کی تنہائی اور اجنبیت کی دھند ہے اور دوسری طرف ماضی کی محبتوں کے ویرانے دونوں کا حاصل زندگی کی بے معنویت کا احساس ہے جسے ہجرت اور جلا وطنی نے دو چند کر دیا ہے۔

''بوبی نے محسوس کیا .....میں بھی .....یعنی یہ انسان.....بوبی ممتاز .....جو اس وقت 'وائلڈ روز' کے دریچے میں کھڑا ہے۔ ان چنگھاڑتے ہوئے عناصر کا ایک بے قدر، بے بس اور کمزور حصہ ہے۔ روح کا کرب، زندگی کی تڑپ، دل کی بے چینی، عناصر کی اس قیامت خیز گھن گرج میں مل کر، ایک ایسی بے آواز سی دھڑکن بن گئی ہے۔ یہ پہاڑ، یہ طوفانی نالے، یہ اونچے بے پرواہ درخت، اب ان سب پر میرے وجود کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا''(۳)[برف باری سے پہلے]

یہ خیالات کائنات میں انسانی وجود کا مفہوم تلاش کر رہے ہیں جہاں بعض اوقات زندگی کی طرف اٹھنے والا ہر قدم بھی انسانی وجود کو بے معنویت کے ویرانے میں دھکیل دیتا ہے۔ اس لیے کائنات اور انسان کے درمیان ایک داخلی ہم آہنگی کا ہونا ضروری ہے۔

کیکٹس لینڈ' اس مجموعے کا ایک اہم افسانہ ہے۔ افسانے کا موضوع تقسیمِ برِصغیر کے بعد کے وہ تہذیبی کھنڈرات ہیں جن میں انسانی رشتوں اور اقدار کی پامالی، زمین سے کشش اور گریز کا دہرا تعلق، جلاوطنی اور بے گھری کا عذاب سب کچھ شامل ہے۔ افسانے کے کردار وہ لوگ ہیں جو کبھی اپنی تاریخ اور تہذیبی زندگی کا محور تھے اور اپنی بنیادوں سے کٹ کر ان کا وجود خلاؤں میں بکھر گیا ہے۔ سب کردار اس تہذیبی زندگی سے وابستگی کے لیے اپنی ہی تلاش میں ہیں جس کی عدم موجودگی نے ان کو بے معنویت کے خلاؤں میں دھکیل دیا ہے۔

''جنگ ختم ہو چکی تھی لیکن جنگ کا پرندہ کائنات کی بیکراں تاریکی کے اوپر مریخ کی مدھم، سرخ، گرم روشنی میں آہستہ آہستہ پرواز کرتا جا رہا تھا اور یہاں پر صرف چلتے ہوئے وقت کی آواز تھی جو اس طرف جا رہا تھا جہاں بہار نہیں تھی۔ جہاں کسی سوال کا جواب نہیں ملتا تھا۔ وہ جو پنکی اشرف کہلاتا تھا اس نے ٹھٹھک کر اس بھاگتے ہوئے وقت کے کنارے کو چھونے کی کوشش کی۔ آخر وہ تھک کر اٹھ کھڑا ہوا''(۴)[کیکٹس لینڈ]

کیکٹس لینڈ میں پیلوسید، طلعت جمیل، پنکی اشرف اور عطیہ سب ایسے کردار ہیں جنہوں نے اپنی تہذیبی زندگی کے اس عہد میں سانس لی ہے جب ذہنی اور نظریاتی اختلافات ٹوٹ پھوٹ کے بجائے نئے امکانات کی تلاش کا محرک بنتے تھے اور وہ اسی فضا کی گمشدگی پر ملول ہیں۔ یہاں دوسری عالمی جنگ، تقسیم اور فسادات سب کچھ بغیر کسی زمانی حوالے کے افسانے میں بین السطور موجود ہیں۔ خصوصاً تقسیم کا واقعہ جس نے ان کرداروں کی قلبِ ماہیت کر دی اور یہ سب افراد کی

بجائے اجتماع میں تبدیل ہو کر اپنے عہد کی تاریخ کا ایک خاموش حصہ بن گئے۔ اس ذہنی کیفیت کے ساتھ یہ کردار صرف بیسویں صدی کے ہندوستان اور پاکستان کی جدید حسیت کے ہی نمائندہ نہیں ہیں بلکہ بیسویں صدی کی پوری ذہنی کائنات، جو تہذیبی اور روحانی بنیادوں سے کٹی ہوئی ہے، کے تناظر میں سامنے آتے ہیں۔ ان کا اپنے بارے میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

''ہم اپنے بدقسمت ملک کی وہ نوجوان نسل ہیں جو یورپ کی جنگ اور سیاسی انتشار کے زمانے میں پروان چڑھی''(۵)[جلا وطن]

ہجرت اور جلاوطنی کا احساس اور اجنبیت مابعد نو آبادیوں ادب کا ایک اہم موضوع ہے۔ ماضی کی نوآبادیاتی حکومتی پالیسیوں پر تنقید اور نئے استعماری نظام کی مخالفت کے باوصف بہت سے تخلیق کاروں کو ماضی کے استعماری مراکز سے ہجرت کرنا پڑی۔ مریم چانسی کے خیال میں:

''حکومتی یا سیاسی تشدد یا ریاستی دہشت گردی کا خدشہ، سماجی استعمار کے غیر انسانی رویّے جو رنگ، جنس اور طبقاتی امتیاز کا نتیجہ ہوتے ہیں .....ایسے ناخوشگوار حالات خودکشی، تشدد، مزید غربت اور مایوسی کی ایک غلام گردش اور بالآخر خود ساختہ جلا وطنی پر منتج ہوتے ہیں''(۶)

ایڈورڈ سعید، اینڈریو گرر اور مائکل سیڈل نے جلا وطنی کی ادبی نوعیت کا ایک منفرد انداز سے تجزیہ کیا۔ Gurr کے مطابق جلا وطنی نے ان مصنفین پر گہرے اثرات مرتب کیے جو کالونیوں میں پیدا ہوئے اور استعمار کے مراکز میں ہجرت کر گئے۔ چونکہ اس تجربے نے ان کے اندر گھر اور وابستگی کے ایک مخصوص تصور کو پیدا کیا، جس میں استعمار کے مراکز میں رہنے والے معاصر مغربی مصنفین سے مختلف اور بہتر شناخت کا تصوّر سامنے آیا۔ اس تصوّر کی وضاحت کرتے ہوئے ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں:

''جلا وطنی کو ایک مفید چیز سمجھنا اور اسے تخلیق کو مہمیز دینے والی کوئی شے تصور کرنا دراصل توڑ پھوڑ اور شکست و ریخت کو حقیر جاننا ہے۔ کیونکہ جلا وطنی بنیادی طور پر ایک نامکمل وجود پیدا کرتی ہے جو اپنی جڑوں، اپنی سرزمین اور اپنے ماضی سے منقطع ہوتا ہے۔''(۷)

لیکن ایڈورڈ سعید کے یہاں جلا وطنی کی ادبی نوعیت کو جلا وطنی کے غیر حقیقی دوہرے وژن کی بہ نسبت ایک بہتر شناخت اور زیادہ با مقصد زندگی کا اعلامیہ قرار دیا گیا ہے۔ جلا وطنی میں رہنے والے مصنفین کا جمالیاتی پہلو، جلا وطنی کے حقیقی احساسات کی ترجمانی نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے منتخب کردہ ملکوں میں ذہنی و روحانی طور پر غیر فعّال کیفیت میں چلے جاتے ہیں، جیسا کہ اپنی خودنوشت میں پابلو نیرودا لکھتا ہے:

''جلا وطنی کی وجہ سے انسانی وجود کے منقسم ہونے کا خیال تقریباً تمام دنیا کی شاعری میں ملتا ہے۔ عوامی گلوکار تخیّل میں اپنے پاؤں کو ایک جگہ اور دل کو دوسری جگہ پاتا ہے۔ اسی طرح اپنے تمام جسم کو بیان کرتا چلا جاتا ہے جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا اور دیہاتوں اور شہروں میں بکھر گیا۔ میں ان دنوں ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔''(۸)

قرۃ العین حیدر نے جلا وطنی کے ضمن میں تہذیبی روایات کے تاریخی تناظر کو اپنی کہانیوں کا پس منظر بنایا ہے جو تخلیق کو ماضی سے بھی جوڑتا ہے اور وقت کے سیال تخلیقی تجربے کے احساس کے ساتھ ساتھ حال اور مستقبل میں اس کی توسیع بھی کرتا ہے ۔ اسے ہم آرکی ٹائپ کا اظہار بھی کہہ سکتے ہیں اور اجتماعی لاشعور کی بازیافت بھی ۔تاریخ کے تاریخی شعور کے ساتھ اپنی جڑوں کا سراغ لگاتے ہوئے قرۃ العین حیدر تمام انسانی تہذیبوں کو ایک ہی سلسلے کی کڑی سمجھتی ہیں ۔شمیم حنفی اپنے مضمون ''نظارہ درمیاں ہے'' میں قرۃ العین کی اسی تخلیقی جہت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ان کے تخلیقی تخیل کی جہتیں کثیر ہیں ، چنانچہ زمان کا کوئی دَور اور مکاں کا کوئی دائرہ اس تخیل کی راہ میں حائل نہیں ہوتا ۔ ان کی تابناک یادداشت دور افتادہ قیاسات کو تخیل کی بساط پر اس طرح منور کرتی جاتی ہے کہ سوئے ہوئے رنگ جاگ اٹھتے ہیں اور وقت کی گرد میں دبی ہوئی ہر شے ایک اشارے پر سامنے آ موجود ہوتی ہے ۔ اس یادداشت کا فکری تناظر اجتماعی ہے ۔ اس کے توسط سے ہم ایک مربوط اور منظم تہذیبی تجربے تک پہنچتے ہیں ۔ سمتوں اور رویّوں اور تخلیقی مقاصد کے بیّن فرق کے باوجود قرۃ العین حیدر کی کہانیوں میں آتشِ رفتہ کے سراغ کی وہی جستجو ملتی ہے جس نے اقبالؔ کی شاعری کو تہذیب و تاریخ کے ایک عمرانی تجزیے کا آئینہ خانہ بنایا ۔ اس تجربے کی مدد سے ماضی و حاضر ایک دوسرے سے قریب ہی نہیں ایک دوسرے کا تکملہ بھی بنے ہیں ۔ اقبالؔ کے بعد تاریخ میں رہتے ہوئے بھی تاریخ سے ماورا تجربے کے ادراک کا یہ دوسرا اہم موڑ ہے ۔ اردو کی حد تک اس عہد کی ادبی روایت میں یہ نشانات کہیں اور نظر نہیں آتے''(۹)

غور طلب بات یہ ہے کہ یادداشت کا تناظر اجتماعی ہونے کی وجہ سے قرۃ العین حیدر کے یہاں بے زمینی کا تجربہ، بے زمانی کا احساس بن کر سامنے آتا ہے اور زمان کی حیثیت مکاں کے نعم البدل کی بن جاتی ہے ۔ اس لیے یہاں فنا کا احساس مادّی نہیں روحانی ہے ۔ یہاں ماضی اور حال ایک نقطے پر اس طرح یک جا محسوس ہوتے ہیں کہ ماضی کی یاد محض ناسٹلجیا یا رجعت پسندی نہیں بلکہ حال کی وسیع تناظر میں تفہیم کا ایک زاویہ بنتی ہے ۔ یہ در اصل حافظے کا غیر ارادی اور خود کار عمل ہے جہاں ماضی کے تجربوں کو نہ تو پوری طرح قبول کیا جا سکتا ہے نہ مسترد۔

۱۔ ''ہم وہ لوگ ہیں جن کا اپنا کوئی دیس نہیں''(۱۰)[سیتا ہرن]

۲۔ ''پھر اس نے کہا ''در اصل سیتا تم مجھے بے حد جذباتی سمجھتی ہو مگر جلا وطنی کا مسئلہ مجھے بھی پریشان کرتا ہے ۔مغربی برلن میں ، ہانگ کانگ میں ہر جگہ میں نے پناہ گزینوں کو دیکھا ہے ۔ امریکن شہروں میں مشرقی یورپ سے بھاگے ہوئے لوگوں سے ملا ہوں ، جاڑوں میں فلسطین کے مہاجروں کی حالت دیکھی ہے ۔ میں جو بات بات پر تم سے الجھتا ہوں اور تمہاری ہر بات مذاق میں ٹالنا چاہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے ، ہم ایک ایسے دَور میں زندہ ہیں جس میں چالیس کروڑ انسانوں کی نفسیات یکسر بدل گئی ہے ۔ ان کے خیالات ،نظریے ، جذبات ، ردِ عمل.....''(۱۱)[سیتا ہرن]

قرۃ العین حیدر کی تحریروں میں ہمیں بے دخلی ، جلاوطنی یا لامکانی کی ابتلا کی ایک ایسی کیفیت کا بار بار سامنا کرنا پڑتا ہے جسے Diaspora یعنی بکھراؤ کا نام دیا جا سکتا ہے ۔ یہ بے دخلی کسی خطۂ زمین سے ہو یا گوشۂ ذہن میں یا پھر زبان

اور ثقافت سے ، یا اپنی ذات اور وجود کے جوہر سے ، یا اپنے گھربار ، کھیت کھلیان ، ماحول اور معاشرے سے یا ان لوگوں سے ، قدروں اور رسم و رواج سے جن کے بیچ ہماری پرورش ہوئی ہے ، جن میں ہماری جڑیں پیوست ہیں ۔ جنہیں ہم عزیز سمجھتے ہیں اور جن کے لیے مسلسل آباد اور برباد ہوتے چلے آئے ہیں ۔ ان کی تحریروں میں انسانی بکھراؤ ایک استعارے، ایک شعور ، ایک تخلیقی محرّک کی صورت میں قاری کو بار بار احساسِ کرب میں مبتلا کرتا ہے ۔

''باہر اندھیرا تھا اور سردی اور بے کراں خاموشی ۔ میں زندہ ہوں .....لیکن سردی بڑھتی گئی اور بیکراں تنہائی ۔ زندگی کے ازلی اور ابدی پچھتاوے کا ویرانہ .....آفتاب بہادر تم کو پتہ ہے کہ میری کیسی جلا وطنی کی زندگی ہے۔ ذہنی طمانیت اور مکمل مسرت کی دنیا جو ہوسکتی ہے ، اس سے دیس نکالا جو مجھے ملا ہے اسے بھی اتنا عرصہ ہو گیا ہے کہ اب میں اپنے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی'' (۱۲) [جلا

انسان نے تاریخ کے دھارے میں بہتے بہتے نہ جانے کتنے ساحلوں پر بستیاں بسائی ہیں ۔ نہ جانے کن کن وجوہات کی بنا پر اپنی زمین اور تہذیب کو چھوڑا ہے ۔ ہجرت ، خانہ بدوشی ، جلاوطنی ، جستِ گم گشتہ کی تلاش میں ، لیکن ایک بار اپنی زمین ، اپنے ماضی ، اپنی جڑوں سے جدا ہو کر وہ اس ماضی ، تہذیب اور زمین کو اپنے ذہن میں بسائے مسلسل بکھراؤ میں مبتلا رہتا ہے ۔ قرۃ العین حیدر کی تحریریں اسی آشوب کا رزمیہ ہیں جس میں آغاز سے آخر تک Myth of origin اور بے وطنی کا بکھراؤ بار بار انسان کو گھیرتا ہے ۔ Diaspora ان لوگوں کے بکھرنے کا عمل ہے جن کی نمو کا سرچشمہ ایک ہے ، ثقافتی پس منظر ایک ہے ۔ جو بار بار ایک زبان ، خطہ و زمین ، مشترک اقدار اور معاشرے سے ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اور جن کی گم شدگی کا کرب ایک ہے ۔ ایک معنی میں اسے اجتماعی لاشعور کا بکھراؤ ، جبری خود فراموشی اور بے موجودگی کی کیفیت بھی کہا جا سکتا ہے ۔ ہومی بھابھا اپنے ایک مضمون میں اسی حوالے سے لکھتے ہیں :

'' ہم عصر تنقیدی نظریات کی وسعت اس امر کی شاہد ہے کہ ہم ان لوگوں سے ، جنہوں نے تاریخ کی سزا بھگتی ہو ، غلامی ، غلبے ، بکھراؤ ، Diaspora بے مکانی .....زندہ رہنے اور سوچنے کے دیرپا سبق سیکھتے ہیں'' (۱۳)

قرۃ العین حیدر کی تقریروں میں انسانی تاریخ سے متعلق سوالات کو وقت کے مابعد الطبیعاتی تصوّر نے مزید وسعت عطا کی ہے ، یہ وقت کی جبریت سے ماوراء ہونے کی ایک کوشش ہوسکتی ہے کہ انسان کی ذہنی کائنات کو خارجی کائنات کا مدِ مقابل بنا کر پیش کیا جائے ، چونکہ انسانی تاریخ کے سلسلے میں شامل تہذیبیں انسانی تجربوں کی روداد کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ اس حوالے سے قرۃ العین حیدر کی موضوعیت فرد کو اجتماع کے نمائندے کی حیثیت سے دیکھنے میں آسانی پیدا کر لیتی ہے ۔ قرۃ العین حیدر کے مخصوص تاریخی شعور کے نمائندہ افسانے ''آئنہ فروش ، شہرِ کوراں ، ملفوظاتِ حاجی بابا بیکتاشی ، اعترافاتِ سینٹ فلارا آف جارجیا اور روشنی کی رفتار ہیں ، جو وقت کے ساتھ ساتھ انسانی شعور کے پیچیدہ ارتقائی سفر کو واضح کرتے ہیں ۔ ان افسانوں میں وہ ماضی کے ایک نقطے کو پھیلا کر حال سے جوڑتی ہیں ، یا وقت کے ایک منطقے سے دوسرے منطقے میں جا کر واپس لمحۂ حال میں لوٹ آتی ہیں ۔ ان افسانوں میں قرۃ العین حیدر نے قدیم مصری تہذیب ، وسطی یورپ کی عیسائی تہذیب ، وسطِ ایشیا کی اسلامی متصوّفانہ روایت اور انبیائے بنی اسرائیل کے ماحول کی عکاسی کی ہے ۔ ان کہانیوں کی

فضا ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود تاریخی ، واقعاتی اور روحانی واردات کی سطح پر ایک ہی تجربے کی مختلف جہات ہیں اور ان میں تاریخ ، زمان و مکان سے ماوراء صداقتوں کی تقسیم کا ایک ذریعہ بن کر سامنے آئی ہے ۔

مابعد نو آبادیاتی دَور میں زبان و ادب اور مذہب و ثقافت کی بے دخلی نے جو شدّت اختیار کی ہے اس کا اردو ادب میں سب سے وقیع بیان ہمیں قرۃ العین حیدر کے یہاں نظر آتا ہے ۔ ان کے کردار اپنی داخلی جلاوطنی کے باعث ایک ایسے بکھراؤ سے گزرتے ہیں کہ زمان و مکان کے معروف فریم میں ان کے مقام کا تعین دشوار ہو جاتا ہے ۔ یہ بکھراؤ کہیں حقیقی ہے، کہیں خارجی حالات کا جبر اور کہیں ذہنی کیفیت مختلف سمتوں اور زمینوں سے بکھر کے آئے یہ لوگ کسی ایک مقام یا وقت کے کسی ایک نقطے پر ملتے ہیں لیکن یہ قربت ان کے ذہنی انتشار کا باعث بن جاتی ہے ۔ اپنے تشخص کی قربانی دیے بغیر وہ دوسروں میں جذب نہیں ہو سکتے ۔ ذات اور معاشرے میں ، ہم اور دیگر میں یہ سرد جنگ جاری رہتی ہے اور ایک دن خارجی یا داخلی دباؤ کے تحت ختم ہو جاتی ہے یا دائمی بن جاتی ہے ۔

''ہم اپنے بدقسمت ملک کی وہ نوجوان نسل ہیں جو یورپ کی جنگ اور ایسے سیاسی انتشار کے زمانے میں پر وان چڑھی ۔ اپنی خانہ جنگی کے دَور میں اس کی ذہنی تربیت کی اور اب اس ہولناک سرد لڑائی کے محاذ پر اسے اپنے اور دنیا کے مستقبل کا تعیّن کرنا ہے''(۱۴)[جلاوطن]

قرۃ العین حیدر کے کرداروں میں جلاوطنی سے جنم لینے والے بکھراؤ Diaspora کی سبھی خصوصیات موجود ہیں۔ یہ لوگ یا ان کے آباؤ اجداد اپنے زمینی یا ثقافتی مرکز سے در بدر ہو کر اجنبی مراکز میں پھینک دیے گئے ہیں جہاں وہ مختلف النوع جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں ۔ یہ کردار اپنے ماضی کی یادوں کو اجتماعی طور پر اپنے ذہن میں بسائے رہتے ہیں اور وہ اپنی اسطور اور وژن کو زمانۂ حال میں اجنبی زمین پر محفوظ رکھنے میں اکثر ناکام رہتے ہیں ۔ یہ رویّہ ماضی کی نوحہ خوانی نہیں بلکہ درحقیقت جس ادیب میں ماضی کی بازیابی کی صلاحیت جتنی زیادہ ہو گی اتنا ہی زیادہ وہ مستقبل کی آگاہی کا حامل ہو گا اور زمانۂ حال کے انتشار کا تجزیہ کر سکے گا ۔ نئی بنیادیں وہی لوگ بھر سکتے ہیں جنہیں معلوم ہو کہ پرانی کیوں بیٹھ گئیں ۔ قرۃ العین حیدر شہر یا گاؤں کی از سرِ نو آباد کاری نہیں کرتیں بلکہ ان غیر مرئی حسیات کی تازہ کاری کرتی ہیں جو ان کے کھنڈرات میں گم ہو چکی ہیں ۔ جلاوطن کردار ماضی سے منسلک ہو کر نہ صرف اس کی حال میں موجودگی کی آگاہی حاصل کرتے ہیں بلکہ اپنے وجود کے معنی اور شناخت کو حاصل کرتے ہیں ۔ قرۃ العین حیدر کہتی ہیں ،ذات کو بحال کرو، ماضی کو بحال کرو، ماضی گھر ہے، کھویا ہوا ہی سہی ۔

۱۔ ''فراق تمثیل کا خاص موضوع ہے ۔ گوتم نیلمبر نے بھی اس روایت کو قائم رکھا ۔ فراق کے علاوہ اور کون سا موضوع وہ اپنے لیے منتخب کر سکتا تھا (۱۵)

۲۔ ''لے لو ۔ یہ لکھنو کی شے ہے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ کیونکہ اس شہر کا یہ جادو ہے کہ یہ چھٹ جائے تو بے طرح یاد آتا ہے ۔''۱۶)

۳۔ ''خدا نہ کرے تم پر کبھی ایسی قیامت گزرے، خدا نہ کرے کبھی تمہیں تنہا اپنی تنہائی کا مقابلہ کرنا پڑے (۱۷)''

ان کرداروں کو مسلسل یہ احساس ستاتا رہتا ہے کہ ان کا آبائی وطن ہی ان کا اصل وطن ، یہ ان کا گھر ہے جہاں وہ اور ان کی آنے والی نسلیں آخر کار لوٹیں گی ۔ جب تک وہ واپس نہیں آتے در بدر بھٹکتے رہیں گے ۔ اگر جسمانی طور پر نہیں تو ذہنی اور روحانی طور پر ۔ گھر کا تصوّر قرۃ العین حیدر کی تحریروں میں اساسی اہمیت کا حامل ہے ۔ گھر جو، اب خود یاد بن کر رہ گیا ہے ۔ مقام در مقام سفر کرنا لیکن کسی مقام کو اپنا نہ کہہ سکنا ہمارے عہد کا المیہ ہے۔

۱۔ ''یہ پاکستان کی عجیب ترین مخلوق ہے ۔ ہندوستان سے آئی ہے اور ملک کے ہر شہر، قصبے اور قریے میں پائی جاتی ہے ۔ کراچی اس کا ہیڈ کوارٹر ہے ۔ اس قوم کا خاص ریکٹ چکّر ہے ۔ یہ قوم مہاجرین بن کر پاکستان آئی ہے .....سال میں ایک مرتبہ ویزہ بنوا کر خاندان کے بچے کھچے افراد سے ملنے ہندوستان جاتے رہتے ہیں ، جس کو اب تک یہ گھر کہتے ہیں یعنی گھر دراصل سندیلہ یا مراد آباد ہے ملک پاکستان ہے''(۱۸)

۲۔ ''یہ اسی کا گھر ہے ۔ اسی گھر میں وہ برسوں سے رہتی آئی ہے ۔ اس زمین پر وہ سب صدیوں سے جیتے اور مرتے رہتے ہیں ۔ یہ گھر ۔ یہ باغ ، یہ سمر ہاؤس ،جھیل کے پار حدِ نظر تک پھیلے ہوئے کھیت اور چراگاہیں ۔ اور ایک بار ایسا ہوا کہ وہ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر چلے گئے ۔ وہ بہت دُور چلے گئے اور اب کبھی ان جگہوں کی خاموش اپنائیت اور ان کی چپ چاپ پکار سننے کے لیے واپس نہ آئیں گے'' (۱۹)۔

۳۔ ''کسی نیگرو کو بلاؤ ، کسی جرمن یہودی کو پیش کرو ، کسی عرب پناہ گزین کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے ، کسی پاکستانی مہاجر اور ہندوستانی شرنارتھی کو آواز دو اور ان سب سے پوچھو کہ تمہارا جرم کیا ہے جس کی یہ سزا تم کو ملی''(۲۰)

ہر چیز کو اضداد کے حوالے سے دیکھنا پوسٹ ماڈرن رویہ ہے لیکن قرۃ العین حیدر نے اس نظریاتی خانہ بندی سے الگ اپنی تخلیقی روش اختیار کی اور بتایا کہ مختلف ثقافتوں میں مماثلتیں بھی ہوتی ہیں ۔ ان کے کرداروں کا Myth of origin کا شکار ہونے کے پس منظر میں یہی رویہ کارفرما دیکھا جا سکتا ہے ۔

''اب کیا ارداہ ہے ؟ کمال نے اپنے بابا سے پوچھا ۔ کربلا ہجرت کیجیے گا یا پاکستان ؟ یہیں رہوں گا ۔ انہوں نے اطمینان سے جواب دیا ۔ کوئی ہم بھگوڑے ہیں ؟ میں اپنے والد کا نقطہ نظر سمجھتا ہوں ..... مجھے صرف اس کا افسوس ہے کہ اس سرزمین میں ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ وہ ترکِ وطن کر کے سندھ اور بلوچستان کو اپنا ملک کیسے سمجھیں ۔ بابا بوڑھے آدمی ہیں''(۲۱)

قرۃ العین حیدر کی کہانیوں میں تاریخ و تہذیب ،اساطیر ، حکایات ، فلسفہ ، نفسیات اور سماجیات علم کی خام شکل میں نہیں آتے بلکہ ان کے وژن کی ترسیل ایک سیال سطح پر کرنے میں معاون عناصر کے طور پر آتے ہیں ۔ اس لیے ان کی تحریریں نہ تو کسی عہد کی سماجی دستاویز ہیں اور نہ ہی سیاسی اور ذہنی تاریخ کے کسی موڑ کی روداد ۔ ان کہانیوں میں اہم بات وقت کے کسی دورانیے کو گرفت میں لینا نہیں بلکہ یہ ہے کہ یہاں مواد اور ہیئت کو ایک ایسی اکائی کی صورت دے دی گئی ہے جو ہمیں تاریخ اور سماجیات کی پسِ پردہ صداقتوں تک لے جاتی ہے ۔ ایسا صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب لکھنے والا مضبوط اور منظّم اعصاب کا مالک ہو اور تماشا اور تماشائی کے دونوں کرداروں میں خود کو رکھ کر دیکھ سکتا ہو ۔ قرۃ العین حیدر کی کہانیوں میں یہ صورت حال پوری انسانی تاریخ کے ورثے اور انسان کی ذات میں موجود ازلی عناصر کی نئی تفہیم کے

حوالے سے پیش کی گئی ہے ۔ اس طرح انہوں نے فکشن کو روایتی معیاروں سے آزاد کیا ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ حال اور ماضی دونوں کا بیک وقت احاطہ کرتے ہوئے ان کے تضادات اور مشترکات واضح کیے ہیں۔

''واقعہ یہ ہے کہ سب کچھ حاصل کر کے بھی ہم موت پر اور کچھ نہ ہونے پر فتح نہیں پا سکتے ، اور ایک روز خوبصورتی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ان سب چیزوں کا بھی جو زندگی کو بقول تمہارے کچھ معنی پہناتی ہوں ''(۲۲)[دجل بہ دجلہ یم بہ یم]

''زندگی میں صرف دل کی وہ بے اطمینانی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ موت آجاتی ہے ۔ موت اصل گیان ہے (۲۳)[انت بھٹے بسنت ہیرو]

قرۃ العین حیدر کے کردار تاریخ کے تہذیبی ماحول سے حال تک کا سفر کرتے نظر آتے ہیں جس سے ان کی تنہائی اور بے بسی کے رنگ روشن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی افسردگی بھی واضح ہوتی ہے جو دو تہذیبوں یا دو زمانوں کے تصادم سے جنم لیتی ہے ۔ یہاں ماضی کا حوالہ حال کے خساروں کا محیط واضح کرنے کے لیے آیا ہے ۔ یہ کردار رجعت پسند ہیں نہ انقلابی ، یہ صرف اتنا جاننے کے خواہاں ہیں کہ وقت کے گرداب میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے اور ان کی انتہا درجے کی حساسیت زندگی کے مختلف منطقوں میں رونما ہونے والی ہر تبدیلی کو گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتی ہے ۔

۱۔ ''بی بی تم وقت کی بات جو کرتی ہو تو میری سنو ۔ ایک چھوٹا سا سفر ، ایک بظاہر غیر اہم ملاقات ، ایک منزل کی سرسری جھلک ، ایک مختصر خط ، ایک تحریر ، بے دھیانی میں کہے ہوئے چند الفاظ زندگی کا دھارا بدل دیتے ہیں ۔ ایک لمحہ جہنم کو جنت اور جنت کو جہنم میں تبدیل کرنے پر قادر ہے ۔ ایک لمحہ صرف ایک لمحہ بی بی''۔(۲۴)[چائے کے باغ]

۲۔ ''شہر زاد کی پرچھائیں ساکت ہو گئیں .....رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی ، آتش دان کے شعلے مدہم پڑ گئے ۔ کمرے میں اب صرف دیوار پر لگا ہوا ، الیکٹرک کلاک روشن تھا ۔ میں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا ۔ کلاک کا روشن چہرہ جو صرف وقت بتاتا رہتا ہے ، بے رحمی ، بے تعلقی ، بے نیازی کے ساتھ ۔ اس کو ذرّہ بھر پروا نہیں کہ سارے وقت تم پر کیا بیت رہی ہے''(۲۵)[چائے کے باغ]

قرۃ العین حیدر کے ناولٹس میں ''دلربا'' کی گلنار ، چائے کے باغ'' کی راحت کاشانی ، ''اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجیو'' کی قمرن اور سیتا ہرن کی سیتا میر چندانی ایسے ہی کچھ کردار ہیں جو آئینوں کی طرح زندگی کے متعلق سوالات کو منعکس کرتے ہیں ۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کہانیوں میں زمانی اور تہذیبی سیاق میں عورت کے مقدرات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جس سے ایک مٹتی ہوئی تہذیب کی عبرت انگیزی اور نو دریافت تہذیب کی سطحیت دونوں تاریخ اور تقدیر کے جبر کی حیثیت سے واضح ہو کر سامنے آئی ہیں ۔ ان کہانیاں کے کردار وقت کے دھارے میں بہتے ہوئے اس جبر کو سہارنا سیکھ جاتے ہیں ۔ عورت کے کردار کو مختلف زاویوں سے پیش کرتے ہوئے قرۃ العین حیدر دو تہذیبوں اور نظامِ اقدار کی درمیانی خلیج کو بھی تاریخ اور معاشرے کی جدلیات سے واقفیت کے ساتھ پیش کرتی ہیں ۔ یہ دو دنیاؤں کا بعد ہے ، گو بے معنویت دونوں جگہ موجود ہے ۔ وقت کے سیلاب میں جو ڈوب گئے ان کے لیے بھی اور جو بچ گئے ان کے لیے بھی ۔ قرۃ العین حیدر نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ہمارا عہد دو دنیاؤں اور دو تہذیبوں کے مابین ایک پُل ہے جس پر سے گزرنے والوں کی سمتیں

ابھی متعین نہیں ہیں ۔ بے سمتی اور بے معنویت کا یہ احساس ان کی کہانیوں کو ایک عہد کا نوحہ اور ایک عہد کا آشوب بنا کر پیش کرتا ہے ۔ میلان کنڈیرا نے ایک جگہ کہا ہے کہ جبر کے خلاف جدو جہد در اصل یادوں کی فنا کے خلاف جہاد ہے ۔ ایک فسطائی نظام کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح انسان کی یادوں کو مٹا کر اپنی جھوٹ کے جال کو مضبوط کر سکے ۔ قرۃ العین اپنے قاری پر بکھراؤ کی مختلف اشکال واضح کرتے ہوئے اسے اجتماعی نسیان کے خطرے سے مسلسل آگاہ کرتی ہیں کیونکہ یہ مذہبی بنیاد پرستی اور فسطائی سیاست کا پیش خیمہ ہے ۔ڈاکٹر علی اطہر اسی حوالے سے اپنے مضمون ''آوارہ گرد ایک تجزیہ'' میں لکھتے ہیں:

۱۔ ''قرۃ العین حیدر کے فن کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کی مخصوص فکر اور فکر کے پس منظر میں اس کی مخصوص سائکی کو سمجھنے کی ضرورت ہے ۔ مختلف علاقوں اور کرداروں کے ذریعے تاریخ ، وقت ، ثقافت ، نظریاتی کشمکش ، آزاد جمہوری ذہنیت اور معاشرے کی سطح پر فسطائیت کی Inherit tragedy اس کے ہاں وہ موضوعات ہیں جو کم و بیش اس کی ہر تخلیق میں کسی نہ کسی صورت ضرور نظر آتے ہیں ۔ وہ اپنے ذہن میں موجود اجتماعی لاشعور کے شعوری اظہار کی گرفت سے باہر نہیں آسکی ۔ گویا اس کا فن فرد اور معاشرے کے ان باہمی تفاوت و تضادات کی شبیہوں پر مشتمل ہے جو ایک جیتے جاگتے سماج کی ثقافت اور تاریخ کو مرتب کرتا ہے''۔(۲۶)

۲۔ ''یہ ہندوستان کیا تھا؟اس کا شعوری طور پر اس نے کبھی تجزیہ نہیں کیا ۔ بچپن سے وہ ہندوستان کا عادی تھا جہاں اس کے پرکھے آٹھ سو سال سے پیدا ہوتے آئے ہیں .....ہندوستان بستی ضلع کا وہ شہر تھا جہاں وہ اپنے بابا کے ساتھ گیا تھا ....ہندوستان اٹاوہ کی کائی آلودہ درگاہ تھی .....ہندوستان قدیر ڈرائیور کی بوڑھی ماں تھی .....ہندوستان بوڑھا حاجی بشارت حسین خانساماں تھا ..... یہ ماتا کے سامنے ہاتھ جوڑنے والا بوڑھا مسلمان ہندوستان تھا.....اس کے علاوہ اس کی ماں اور خالائیں اور گھر کی دوسری بیبیاں ہندوستانی تھیں ،ان کی آپس کی بول چال ، محاورے ، گیت ، رسمیں اور پرانی کہانیاں جو مغلانیاں سناتی تھیں .....ہندو پرانوں اور دیو مالا کے قصے ، مسلمان اولیاء کے قصے ،مغل بادشاہ کے قصے .....یہ سب کمال کی ذہنی بیک گراؤنڈ تھی''(۲۷)

اور یہ تصور مٹ گیا ، عدالت نے فیصلہ دیا کہ گلفشاں متروکہ جائیداد قرار دے دی گئی ہے ۔ دوسرے روز کمال کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو لکھنؤ میں ریفیو جی پایا ۔ تیسرے دن پولیس آفیسر کوٹھی پر تالا ڈالنے کے لیے آگئے ۔ چوتھے روز کمال رضا نے ویزہ بنوایا اور بوڑھے والدین کو لے کر ٹرین میں بیٹھا ، پانچویں دن ٹرین دلّی پہنچی ، چھٹے دن اس نے بارڈر کراس کیا ، ساتویں دن کمال کراچی میں تھا سات دنوں میں صدیوں کا سفر ختم ہو کر ایک مسلسل بکھراؤ میں بدل گیا۔

''یہ تقسیم شدہ دنیا ہے ۔ ملک ، انسان ،نظریے ،روحیں ، ایمان ،ضمیر ، ہر شے تلواروں سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کر دی گئی ہے۔ یہاں ہر طرف سرحدیں ہیں ۔اس تقسیم شدہ دنیا میں ہم ایک دوسرے سے سرحدوں پر ہی مل سکتے ہیں روشن''(۲۸)

قرۃ العین حیدر کے افسانے اور ناول اس تجربے کے گواہ ہیں کہ کسی بھی ادیب کو اگر اپنے زمانے کی تفتیش کرنا ہے تو اسے اپنے کلچرل ورثے کی زمان و مکان میں بار بار اور از سرِ نو تجدید کرنا پڑتی ہے ۔ ماضی کو دہرایا نہیں جا سکتا لیکن اسے

Repatritize کرنا ضروری ہے ۔ ہم اپنے ذہن اور روح میں ہزاروں کروڑوں لوگوں کی صدیوں سے چلتی ہوئی زندگی کو لیے ہوئے حال میں جیتے ہیں ، اور جلاوطنی کے المیے کو سمجھنے کے لیے ہمیں ہر دَور میں اس انتشار سے گزرنا پڑتا ہے ۔

''پرانے عہد نامے منسوخ ہوئے ۔ کشوری نے آہستہ سے دہرایا ۔ ہم اس طرح زندہ نہ رہیں گے ۔ ہم اس طرح اپنے کو مرنے نہیں دیں گے ۔ ہماری جلا وطنی ختم ہوگئی ۔ آج کی صبح ہے ، مستقبل ہے ، ساری دنیا کی تخلیق ہے لیکن کنول کماری تم اب بھی رو رہی ہو'' (۲۹) [جلا وطن]

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم انہی سچائیوں کا احترام کرتے ہیں جو اضطراب اور اندوہ کی مٹی سے جنم لیتی ہیں ۔ چنانچہ سچائی کی قدر و قیمت کا تعیّن بھی ہم لکھنے والے کی اذیتوں کے حساب سے کرتے ہیں ۔ ہماری ہر سچائی کے لیے ایک ایسے فرد کا ہونا ضروری ہے جو اس سچائی کی قربان گاہ پر شہید ہوا ہو ۔ اس صورتِ حال نے ادب میں جن رویوں کو جنم دیا اور ان سے وابستہ جو تحریریں وجود میں آئیں ان کی قدر و قیمت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ ان میں سارے اعصابی تشنج اور جذباتی ہسٹیریا کے باوجود ایسے رنگ بھی شامل تھے جو جلا وطنی کی ابتری اور انتشار کے ماحول میں ایک گہری ، سچی اور فلسفیانہ اداسی اور جذبے کی تنظیم کا پتہ دیتے ہیں ۔ قرۃ العین حیدر کی تحریریں اس امر کی گواہ ہیں کہ یہ رنگ بہت دبیز ، متین اور مہذّب ہیں ۔ ان کا حزن آمیز جمال وقت اور مقام کی قیود سے ماورا ہے ۔ بیسویں صدی اپنے ساتھ جو انقلابات لائی وہ ذہنی اور روحانی سطح پر فرد کو متاثر کرنے کا سبب بنے اور دنیا کا نقشہ بہت تیزی سے تبدیل ہوا ۔ یہ دَور انسانی ذہن کی تربیت کا بھی ہے اور شکست وریخت کا بھی ۔ یہی وجہ ہے کہ قرۃ العین حیدر کی تحریروں میں تاریخ اور تاریخیت کے حوالے سے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ان کے کردار مسلسل جلا وطنی اور بکھراؤ کا شکار رہتے ہیں اور اس بکھراؤ سے بچنے کی کوشش میں ماضی میں پناہ لیتے ہیں کیونکہ حافظہ انسان کے وجود پر محض ماضی کا ایک نقش نہیں بلکہ اس کے وجود کے ہونے کی دلیل بھی ہے اور انسان اپنے وجود کی شہادت کبھی نہیں کھونا چاہتا یہی اس کا تشخص ہے جو اسے متحرک رکھتا ہے ۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ سید قاسم محمود (مدیر) ، انسائکلو پیڈیا پاکستانیکا ، شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی ، طبعِ اول ، ۱۹۹۸ء ، ص ۴۱ ۔

۲۔ سید مظہر جمیل ، آشوبِ سندھ اور اردو فکشن ، اکادمی بازیافت کراچی ، ۲۰۰۳ ، ص ۲۶۲ ۔

۳۔ قرۃ العین حیدر ، ''شیشے کے گھر'' ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ، ۱۹۹۴ء ، ص ۴۸

۴۔ ایضاً ص ۶۴ ۔

۵۔ قرۃ العین حیدر ، ''پت جھڑ کی آواز'' ، فرینڈز پبلشرز کراچی ، س ن ، ص ۵۱

6. Searching for safe space,Afro corribear Women Wrighters in exile, philodelphia,temple, UP, 1997,p,1

7. Reflections on Exile and other literary and cultural essays

,penguie books, New Delhi, 2001, p 174

8. Memoirs, Pablu neroda, Penguie books 1978, p 173

۹۔ سید عامر سہیل، ڈاکٹر علی اطہر (مرتبین) قرۃ العین حیدر، خصوصی مطالعہ، بیکن بکس ملتان، ۲۰۰۳، ص ۶

۱۰۔ قرۃ العین حیدر، چار ناولٹ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰، ص ۶۱۔

۱۱۔ ایضاً ص ۸۳۔

۱۲۔ قرہ العین حیدر، پت جھڑ کی آواز، ص ۶۰

13. Bill ashcroft, Dissemination:Time ,narrative,and the margins of the modern nations , post colonial studies readers , (edited) Youteledge London, 1999, p 176

۱۴۔ قرۃ العین حیدر، ''پت جھڑ کی آواز''، ص ۵۲۔

۱۵۔ قرۃ العین حیدر، ''آگ کا دریا''، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۱۔

۱۶۔ ایضاً ص ۱۷۱۔

۱۷۔ قرۃ العین حیدر کے منتخب افسانے، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴۰۔

۱۸۔ آگ کا دریا، ص ۲۲۳۔

۱۹۔ شیشے کے گھر، ص ۵۰۔

۲۰۔ آگ کا دریا ص ۲۴۰۔

۲۱۔ ایضاً ص ۳۰۰۔

۲۲۔ شیشے کے گھر، ص ۲۳۱۔

۲۳۔ ایضاً ص ۲۵۳۔

۲۴۔ چار ناولٹ، ص ۲۰۳۔

۲۵۔ ایضاً ص ۲۱۴۔

۲۶۔ قرۃ العین حیدر، خصوصی مطالعہ، ص ۴۶۳۔

۲۷۔ آگ کا دزیا، ص ۲۴۳۔

۲۸۔ ایضاص ۲۲۰۔

۲۹۔ پت جھڑ کی آواز، ص ۸۳۔

انڈیکس

محمد ساجد نظامی

نمبر شمار	مقالہ نگار	مقالے کا عنوان	موضوع
۱	ڈاکٹر معین الدین عقیل	تذکرہ نویسی کے دور میں تاریخ نویسی کی ایک وقیع مثال: اردو زبان وادب کی اوّلین تاریخ	اردو زبان وادب کے فروغ میں مستشرقین کے کردار کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ گارساں دتاسی ان مستشرقین میں سے ہیں جنہوں نے بڑی لگن سے اردو زبان وادب کے بارے میں مواد جمع کیا ہے۔ تذکرہ نویسی کے دور میں ان کی تاریخ بہت ہی اہم ہے۔ اس مضمون میں ان کی اس اہم تصنیف ''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔
۲	ڈاکٹر رؤف پاریکھ	لغت نویسی میں کورپس، کورپس لسانیات، وصفیت اور تجربیت کا کردار	اس مقالے میں کورپس اور کورپس لسانیات کا تعارف کراتے ہوئے اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ دور حاضر میں لغات کی تیاری میں کورپس اور کورپس لسانیات کا استعمال کیسے کیا جاسکتا ہے اور لغت نویسی میں سند کے طور پر کورپس کے استعمال پر زبان کی صحت اور معیار کا سوال کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ لغت اور قواعد کے وصفی یا تجویزی ہونے کی بحث کا کورپس سے کیا رشتہ ہے۔
۳	ڈاکٹر عطش درانی	پاکستانی زبان کا آج بھی مستعمل مشترکہ قدیم رسم الخط	پاکستانی زبانوں کا مشترکہ رسم الخط عربی ہے جو ان زبانوں میں ارتقائی مراحل سے مستعمل ہے لیکن بعض اضافی علامات ان زبانوں کے لیے مختص اور دوسری زبانوں کے لیے اجنبی ہوگئی ہیں۔ اس مضمون میں اس امر کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے کہ اس رسم الخط کی تفصیلات، اس کی انواع کے تقابلی جائزوں اور مختلف پاکستانی زبانوں کے ایسے نمونے محفوظ کیے جائیں جو تاجر برادریوں کے خفیہ کھاتوں کے لیے آج بھی مستعمل ہیں۔
۴	ڈاکٹر تنظیم الفردوس	عجائبات فرنگ میں ہندوستانی اور مغربی معاشرت کا تقابل	عجائبات فرنگ کا شمار اردو کے اولین سفرناموں میں ہوتا ہے۔ اس مضمون میں اس سفرنامے میں ہندوستانی اور مغربی معاشرت کا جو ذکر آیا ہے مضمون نگار نے ان کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔
۵	ڈاکٹر تنویر قادری	اشاریہ سازی کا فن اور اشخاص کا اشاریہ	کتب ورسائل کی اشاریہ سازی ایک فن ہے جو اس صورت میں مفید ہے جب اشاریہ سازی میں قواعد کی پیروی کی گئی ہو اس مضمون میں اشاریہ سازی کے فن کا جائزہ لیتے ہوئے اشخاص کی اشاریہ سازی کے اصول مرتب کیے گئے ہیں۔
۶	ڈاکٹر سعید احمد	غالب کا ایک منفرد شارح: محمد مستقیم	غالب اردو کا واحد شاعر ہے جس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں اور آج بھی لکھی جارہی ہیں۔ محمد مستقیم غالب شناسی میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے غالب کے سائنسی شعور کے حوالے سے ان کے اشعار کی تشریح کی ہے۔ اس مضمون میں ان کی ایک اہم کتاب ''غالب: ایک سائنس دان'' کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۷	ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی	اردو افسانے کے فروغ میں مجلّہ ''مخزن'' کا کردار	مجلّہ ''مخزن'' اردو کا ایک اہم جریدہ ہے جس کی خدمات سے انکار نہیں۔ اس جریدے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ 1903ء میں راشد الخیری کا افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' اس میں شائع ہوا جسے اردو کا پہلا افسانہ سمجھا جاتا ہے۔ اس مضمون میں اردو افسانے کے فروغ میں ''مخزن'' کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔
۸	ڈاکٹر خالد محمود خٹک	مغلیہ عہد سے جوش تک: شعرائے اردو کی مخفی سیاسی جدوجہد	اردو شاعری کے آغاز سے ہی اردو شعراء نے اپنے مقامی اور ملکی حالات کی ابتری کے خلاف آواز اٹھائی۔ اپنے اس مزاحمتی رویے کے لیے انہوں نے غزل کے ایمائی اور رمزیہ انداز کو استعمال کیا جس کی وجہ سے وہ اپنی بات بھی کہہ گئے اور حکمرانوں کے عتاب سے بھی بچے رہے، اس مضمون میں مغلیہ عہد سے جوش تک اس مخفی سیاسی جدوجہد کا جائزہ لیا گیا ہے۔
۹	ڈاکٹر محمد سلیمان اطہر	پاکستان کے لسانی منظر نامے میں کوڈ سوئچنگ اور کوڈ مکسنگ کا کردار	''کوڈ سوئچنگ'' اور ''کوڈ مکسنگ'' انگریزی لسانیات کی اصطلاحات ہیں۔ اردو میں ان کے مترادف بالترتیب نحوی زبان اور ادغام زبان ہیں۔ ''کوڈ سوئچنگ'' کا تعلق تحریری زبان سے زیادہ بول چال کی زبان سے ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں کوئی فرد ایک زبان بولتے ہوئے اسی زبان کی کوئی اور بولی یا دوسری زبان بولنے لگتا ہے تا کہ وہ اپنا مافی الضمیر واضح طور پر بیان کر سکے۔ ''کوڈ مکسنگ'' میں فرد کسی فقرے کی ادائیگی کے لیے اپنی بول چال کی زبان میں کسی دوسری زبان کا کوئی لفظ یا ایک حصہ استعمال کرتا ہے۔ اس مضمون میں ''پاکستان کے لسانی منظر نامے میں کوڈ سوئچنگ اور کوڈ مکسنگ کے کردار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔
۱۰	ڈاکٹر جواز جعفری	لاہور کی ادبی روایات میں قہوہ خانوں کا کردار	لاہور کی ادبی روایات میں ان قہوہ خانوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جہاں اپنے اپنے وقت کے بڑے ادیب شامیں گزارتے تھے۔ ان مجلسوں میں ادبی و فنی بحثیں بھی ہوتی تھیں یہ قہوہ خانے لاہور کی ادبی تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ اس مضمون میں ان کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔
۱۱	ڈاکٹر پنکی جسٹن	سراج پانی پتی: حقائق وانکشافات	سراج پانی پتی کی اہمیت یہ ہے کہ وہ اردو کے دو اہم ادیبوں کریم الدین پانی پتی اور امام الدین پانی پتی کے والد تھے۔ اس مضمون کو تحریر کرنے کا مقصد ان کی نایاب آپ بیتی کا جائزہ لینا ہے جو ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس مضمون کے ذریعے ان چند غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا مقصود ہے جو اس علمی خانوادے کے بارے میں رائج ہیں۔
۱۲	ڈاکٹر نجیب جمال	میر کی شاعری میں اعلیٰ انسانی اقدار کی نمود	میر کے ایک بڑے شاعر ہونے سے کسے انکار ہے۔ ان کی شاعری میں انسانی رویوں کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی سیاسی و معاشرتی ابتری کی تصویریں اور پھر ان کا انداز بیاں انہیں ایک عہد ساز شاعر بناتا ہے اس مضمون میں ان کی شاعری میں اعلیٰ انسانی اقدار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۳	ایم خالد فیاض	عزیز حامد مدنی کی فیض شناسی	عزیز حامد مدنی جدید دور کے اہم شاعر ہیں شاعری کے ساتھ ساتھ انہوں نے تنقید بھی لکھی ہے۔ اس مضمون میں ان کی فیض شناسی کا جائزہ لیا گیا ہے۔
۱۴	ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ	مولانا غلام قادر گرامی: ایک مطالعہ	مولانا غلام قادر گرامی کا شمار ایک عالم کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے احباب میں ہوتا ہے۔ اس مضمون میں ان کی شخصیت اور علم کے مختلف پہلوؤں کے جائزے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال سے ان کے مراسم کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔
۱۵	ڈاکٹر ناہید قمر	قرۃ العین حیدر، جلا وطنی اور تہذیبی بکھراؤ کا المیہ	قرۃ العین حیدر اردو زبان کی ایک بڑی ادیبہ ہیں۔ ان کے خاص موضوعات، وقت، تہذیب اور تاریخ ہیں۔ جلا وطنی سیاسی وجوہات کی بناء پر ہو یا کسی شخصی مسئلے کی وجہ سے، اپنا گہرا اثر رکھتی ہے۔ اس مضمون میں تہذیبی بکھراؤ اور جلا وطنی کے حوالے سے ان کی تحریروں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

Contents

Editorial

1	Dr. Moin ud Din Aqeel	A Unique example of Historiography in the age of Biographical Dictionery writing: The first History of Urdu Language and literature.	7
2	Dr. Rauf Parikh	The role of Corpus, Corps Linguistics, descriptivism and empiricism in lexicography.	23
3	Dr. Attash Durrani	An ancient, still in use common script in Pakistani Languages.	35
4	Dr. Tanzeem ul Firdos	Ajaibat-e-Farang: Comparison between Indian and Western civilization.	57
5	Dr. Shabir Qadri	The art of indexation and indexation of personalities.	69
6	Dr. Saeed Ahmed	An exceptional interpreter of Ghalib: Muhammad Mustaqeem.	79
7	Dr. Muhammad Haroon Usmani	The role of magazine " Mukhzan" in the development of Urdu Short Story.	87
8	Dr. Khalid Mahmood Khattak	The hidden political struggle of Urdu poets from Mughal period to Josh.	107
9	Dr. Muhammad Suleman Athar	The role of Code switiching and Code mixing in Pakistani Linguistics.	117
10	Dr. Jawaz Jafery	The literary traditions of Lahore and Tea-houses.	125
11	Dr. Pinky Jestin	Siraj Panipati: Some facts	139
12	Dr. Najeeb Jamal	Human & Moral values in Meer's poetry.	145
13	M. Khalid Fiaz	Remarkable work of Aziz Hamid Madni on Faiz	151
14	Dr. Qurat ul Ain Tahira	Maulana Ghulam Qadir Garamee: A study	159
15	Dr. Naheed Qamar	A study of diasponic themes in Qurat ul Ain Haider's fiction.	179
16	Muhammad Sajid Nizami	Index	191

Patron –in- Chief: Dr. Muhammad Bashir Goraya, Pro Chancellor.
Patron: Dr. A.Q. Ansari, Rector
Publisher: Prof. Muhammad Imtiaz Aqdas, Vice Chancellor.
Editors: Dr. Inam-ul-Haq Javeid,
Dean Faculty of Social Sciences.
Dr. Rasheed Amjad,
Head Department of Urdu & Pakistani Languages

Advisory Board: (National)

- Dr. Khawaja Muhammad Zakria, Professor Emeritus, Punjab University, Lahore.
- Dr. Tabasaum Kashmiri, Visiting Professor, G.C. University, Lahore.
- Dr. Muhammad Fakhrul Haq Noori, Chairman Urdu Department, University Oriental College, Lahore.
- Dr. Rubina Tareen, Dean & Head, Urdu Department Zakaria University, Multan.
- Dr. Muhammad Yousaf Khushk, Head Urdu Department, Shah Latif University, Khair pur Sindh.
- Dr. Najeeb Jamal, Islamia University, Bahawalpur.
- Dr. Abdul Aziz Sahir, Head Urdu Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
- Dr. Rubina Shahnaz, Head Urdu Department National University of Modern Languages, Islamabad.
- Dr. Naheed Qamar, Urdu Department, Wafaqi Urdu University, Islamabad.

Advisory Board (International)

- Dr. Gopi Chand Narang, Professor Emeritus, Jamia Millia Islamia, Delhi, India.
- Dr. Abu-al-Kalam Qasmi, Urdu Department, Ali Garh Muslim University, India.
- Prof. Qazi Afzal Hussain, Urdu Deparment, Ali Garh Muslim University, India.
- Dr. Sagheer Afraheem, Urdu Department, Ali Garh Muslim University, India.
- Dr. Muhammad Q. Marsi, Head Urdu Department, Tehran University, Iran.
- Dr. Jalal Sedan, Chairman Urdu Department, Ankara University, Turkey.
- Dr. Sohail Abbas, Tokyo University of Foreign Studies, Japan.

For Contact: Department of Urdu & Pakistani Languages.
Al-Khair University, IJP Road, Opposite Grid Station I-8, Islamabad.

Circulation Incharge: M.Sajid Nizami- Asghar Abid
Title: Zulfiqar Ahmed **Layout:** M. Abrar Siddiqui, M. Ali
Email: tzurdu@hotmail.com **Website:** www.alkhair.edu.pk

ISSN2309-0499

Research Journal

Tahqeeqi Zawiay

3

Jan – Jun 2014

Department of Urdu & Pakistani Languages
Al- Khair University Bhimber
Camp Office: IJP Road, Opp. I-8 Grid Station,
Islamabad
ISSN 2309-0499